ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1968

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ —شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: منتخب قرآنی آیات کا تفسیری ادب کی روشنی میں تقابلی کا مطالعہ-1 (1968)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 —کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔

اہم وضاحت: اس مشق میں جن تفاسیر (تفسیر ضیاء القرآن، تفسیر معارف القرآن، تفسیر قرطبی) کی طرف رجوع کرنے کو کہا گیا ہے، ان کے مضامین یہاں نصابی مطالعے کی روشنی میں اپنے الفاظ میں خلاصے کے طور پر پیش کیے گئے ہیں؛ یہ کسی تفسیر کے ہو بہو اقتباسات نہیں ہیں۔ طالب علم اصل تفاسیر اور نصابی کتاب سے براہِ راست مطالعہ ضرور کرے اور امتحان میں حوالے اسی مطالعے کی بنیاد پر لکھے۔ اسی طرح جہاں فقہی یا اعتقادی آراء میں اختلاف بیان ہوا ہے، وہ خالصتاً علمی و تعلیمی انداز میں بیان ہوا ہے؛ کسی فرد یا معاملے پر کسی حکم کا اطلاق اہلِ علم و مفتیانِ کرام اور متعلقہ قانونی فورمز کا کام ہے، اس گائیڈ کا مقصد صرف نصابی تفہیم ہے۔

سوال نمبر 1

سوال نمبر 1۔ سورۃ الفاتحہ کے اسماء وفضائل تحریر کرتے ہوئے بسم اللہ کے سورۃ الفاتحہ کے جزو ہونے پر علماء کی آراء کا جائزہ لیجیے۔ صراط مستقیم سے کیا مراد ہے؟ صراط مستقیم پر چلنے کے فوائد تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

سورۃ الفاتحہ قرآن مجید کی پہلی سورت ہے اور اسے پورے قرآن کا خلاصہ، دیباچہ اور اساس قرار دیا جاتا ہے۔ یہ مکی سورت ہے، اس کی سات آیات ہیں اور یہ وہ واحد سورت ہے جس کی تلاوت ہر نماز کی ہر رکعت میں فرض کے درجے میں لازم ہے۔ اس سوال کے تین حصے ہیں: پہلے حصے میں سورۃ الفاتحہ کے نام اور فضائل بیان کرنا ہیں؛ دوسرے حصے میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سورۃ الفاتحہ کا جزو ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں علماء کی آراء کا جائزہ لینا ہے؛ اور تیسرے حصے میں اسی سورت کی آیت "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" کے اہم ترین لفظ "صراط مستقیم" کی وضاحت اور اس پر چلنے کے فوائد تحریر کرنا ہیں۔ ذیل میں تینوں حصوں کو الگ الگ عنوانات کے تحت تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ سوال کا ہر جز پوری طرح واضح ہو جائے۔

سورۃ الفاتحہ کے اسماء (نام)

سورۃ الفاتحہ کے اتنے نام ہیں کہ ان کا شمار اس کے مقام و اہمیت کو خود بیان کر دیتا ہے۔ اس کا سب سے مشہور نام "الفاتحۃ" ہے، یعنی کھولنے والی، کیونکہ قرآن کی ترتیب میں اس سے آغاز ہوتا ہے اور یہی نماز اور تلاوت کا دروازہ کھولتی ہے۔ دوسرا نام "ام الکتاب" اور "ام القرآن" ہے، یعنی کتاب کی اصل اور جڑ، کیونکہ قرآن کے تمام بنیادی مضامین یعنی توحید، عبادت، ہدایت، سابقہ امتوں کا ذکر اور آخرت کا تصور اس میں اجمالاً موجود ہیں۔ تیسرا نام "السبع المثانی" ہے، یعنی بار بار دہرائی جانے والی سات آیات، کیونکہ یہ ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہیں۔ اسے "الشفاء" اور "الراقیہ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اسے دم کے طور پر پڑھنے کی اجازت اور تصدیق فرمائی۔

"الصلوٰۃ" اس کا نام اس حدیث قدسی کی بنا پر پڑا جس میں نماز یعنی فاتحہ کو اللہ اور بندے کے درمیان تقسیم قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ "الحمد"، "الکنز"، "الوافیہ"، "الکافیہ"، "الاساس" اور "سورۃ الدعاء" وغیرہ نام بھی کتبِ تفسیر میں مذکور ہیں۔ ہر نام اس سورت کی کسی خاص صفت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جدول 1: سورۃ الفاتحہ کے مشہور نام اور وجہ تسمیہ

نام	وجہ تسمیہ / مطلب
الفاتحہ	قرآن کا آغاز اور دروازہ کھولنے والی سورت
ام الکتاب / ام القرآن	پورے قرآن کے مضامین کی اصل اور خلاصہ
السبع المثانی	سات آیات جو بار بار (ہر رکعت میں) دہرائی جاتی ہیں
الشفاء	شفا کا ذریعہ؛ روحانی اور جسمانی علاج میں دم کے طور پر پڑھی جاتی ہے
الراقیہ	دم کرنے کے لیے پڑھی جانے والی سورت
الحمد	اللہ کی حمد و ثنا سے آغاز ہونے کی وجہ سے
الکنز	معانی و ہدایت کا خزانہ
الاساس	دین اور نماز کی بنیاد
سورۃ الدعاء	ہدایت کی سب سے جامع دعا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے

USMAN NOTES www.usmannotes.com

سورۃ الفاتحہ کے فضائل

احادیث میں سورۃ الفاتحہ کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز (سورۃ الفاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان نصف نصف تقسیم کر دیا ہے، اور میرے بندے کے لیے وہ ہے جو وہ مانگے۔ بندہ جب "الحمد للہ رب العالمین" کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے: میرے بندے نے میری حمد کی؛ جب وہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" کہتا ہے تو فرمایا جاتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور بندے کے لیے وہی ہے جو اس نے مانگا۔ ایک اور روایت میں اس سورت کو قرآن کے تہائی یا نصف کے برابر کہا گیا اور یہ بھی وارد ہوا ہے کہ یہ ایسی سورت ہے جس کی مثل نہ تورات میں نازل ہوئی نہ انجیل میں نہ زبور میں اور نہ باقی قرآن میں۔ حضرت ابو سعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ والی مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے سورۃ الفاتحہ کو قرآن کی سب سے عظیم سورت قرار دیا۔ اسی لیے اس کی تلاوت نماز کا لازمی جزو ہے اور اس کے بغیر نماز کی تکمیل نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث "لا صلاۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب" میں واضح ہے۔

فضائل کا تعلیمی پہلو یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ محض ثواب کی سورت نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ فکر ہے۔ اس میں اللہ کی حمد، اس کی ربوبیت، رحمت اور مالکِ یوم الدین ہونے کا اقرار ہے؛ اس میں عبادت اور استعانت کی توحید ہے؛ اور اس میں انسان کی سب سے بڑی ضرورت یعنی ہدایت کی دعا ہے۔ نماز میں اس کی بار بار تکرار دراصل بندے کو دن میں کئی مرتبہ اپنے مقصدِ حیات کی یاد دہانی کراتی ہے۔ اسی لیے مفسرین لکھتے ہیں کہ جس نے فاتحہ کے معانی کو سمجھ کر اسے عادت بنا لیا، اس کی عقیدہ، عبادت اور اخلاق تینوں کی اصلاح کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔

بسم اللہ سورۃ الفاتحہ کا جزو ہے یا نہیں؟ علماء کی آراء کا جائزہ

اس مسئلے میں علماء کے دو بڑے موقف معروف ہیں اور دونوں کے پاس اپنے دلائل ہیں، اس لیے طالب علم کو دونوں آراء کو احترام اور توازن کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ پہلا موقف امام شافعی رحمہ اللہ اور قراء میں سے بعض اہلِ کوفہ وغیرہ کا ہے جن کے نزدیک بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سورۃ الفاتحہ کی ایک آیت ہے بلکہ ہر سورت کی ابتدائی آیت ہے (سورۃ التوبہ کے سوا)۔ ان کے دلائل میں یہ بات شامل ہے کہ مصاحف میں بسم اللہ فاتحہ کے آغاز میں اسی رسم کے ساتھ لکھی گئی ہے، اور فاتحہ کی سات آیات کی تعداد اسی

وقت پوری ہوتی ہے جب بسم اللہ کو ایک آیت شمار کیا جائے؛ اسی بنا پر ان کے یہاں نماز میں بسم اللہ کا جہراً پڑھنا معمول رہا ہے۔ دوسرا موقف امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور قول کا ہے جن کے نزدیک بسم اللہ فاتحہ یا کسی سورت کی باقاعدہ آیت نہیں بلکہ سورتوں کے درمیان فصل (جدائی) اور برکت کے لیے نازل شدہ مستقل آیت ہے۔ ان کے دلائل میں یہ بات شامل ہے کہ صحابہ کرام کے مصاحف میں اسے آیات کی گنتی میں شامل نہیں کیا گیا، اور یہ کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین سے جہری نمازوں میں بسم اللہ کا بلند آواز سے نہ پڑھنا ثابت ہے۔

اس اختلاف کا جائزہ لیتے ہوئے تین باتیں یاد رکھنا ضروری ہیں۔ پہلی یہ کہ اختلاف بسم اللہ کے قرآن ہونے میں نہیں ہے؛ سب کا اتفاق ہے کہ یہ کم از کم سورۃ النمل کی آیت نمبر 30 کا جز ہے اور برکت والی عظیم عبارت ہے۔ اختلاف صرف اس کے فاتحہ کی آیت ہونے اور نماز میں جہر و اخفاء کے عملی طریقے میں ہے۔ دوسری یہ کہ یہ اختلاف دلائل کی بنیاد پر اجتہادی نوعیت کا ہے، اس لیے کسی ایک رائے کے متبعین کو دوسری رائے والوں پر طنز کرنا جائز نہیں۔ تیسری یہ کہ عام مسلمان کے لیے عملی راہ یہی ہے کہ وہ اپنے علاقے کے معتبر علماء اور اپنے مسلک کے طریقے کے مطابق نماز ادا کرے، اور اس فرعی اختلاف کو فتنے کا ذریعہ نہ بنائے۔ امتحانی جواب میں یہی متوازن پیشکش اصل علمی رویہ ہے۔

جدول 2: بسم اللہ کے جزوِ فاتحہ ہونے میں آراء کا خلاصہ

رائے	قائلین (مشہور)	بنیادی دلیل
بسم اللہ فاتحہ کی آیت ہے	امام شافعی اور بعض قراء	مصحف میں نگارش اور سات آیات کی تکمیل بسم اللہ سے ہوتی ہے
بسم اللہ مستقل آیت برائے فصل و برکت ہے، فاتحہ کی آیت نہیں	امام مالک، امام ابو حنیفہ (مشہور قول)	سابقہ مصاحف کی گنتی اور جہری نمازوں میں اخفاء کی روایات

صراط مستقیم سے کیا مراد ہے؟

"صراط" کے لغوی معنی سیدھا اور واضح راستہ کے ہیں اور "مستقیم" اس راستے کو کہتے ہیں جس میں کوئی ٹیڑھ، کمی یا انحراف نہ ہو۔ مفسرین نے صراط مستقیم کی تشریح مختلف مگر ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے الفاظ میں کی ہے: اس سے مراد دینِ اسلام ہے، قرآن مجید ہے، سنت و سیرتِ رسول ﷺ ہے، اور حق کا وہ راستہ ہے جو اللہ کی رضا اور جنت تک پہنچاتا ہے۔ بعض مفسرین نے اسے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے راستے سے تعبیر کیا ہے کیونکہ اگلی آیت میں "صراط الذین انعمت علیہم" کہہ کر اس کی تعیین کر دی گئی ہے۔ جامع تعریف یہ ہے کہ صراط مستقیم اعتقاد، عبادت، اخلاق اور معاملات میں افراط و تفریط سے پاک وہ درمیانی اور متوازن راہ ہے جو وحی کی روشنی میں چلنے سے ملتی ہے۔ اس کی ضد دو راستے ہیں: ایک مغضوب علیہم کا راستہ، جنہوں نے جاننے کے باوجود عمل نہ کیا؛ اور دوسرا ضالین کا راستہ، جو جہالت کی وجہ سے گمراہ ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے لیے علم اور عمل دونوں ضروری ہیں۔

صراط مستقیم کا ایک اہم پہلو اس کی دعا کا روزانہ دہرایا جانا ہے۔ انسان نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا مانگتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ ہدایت کوئی ایک بار مل جانے والی جامد چیز نہیں بلکہ ہر دن، ہر معاملے اور ہر فیصلے میں تازہ رہنمائی درکار ہوتی ہے۔ علماء لکھتے ہیں کہ صراط مستقیم دنیا میں دین کی استقامت ہے اور آخرت میں اسی کا ظہور پل صراط کی صورت میں ہو گا؛ جو دنیا میں اس راستے پر ثابت قدم رہا وہ آخرت کے پل سے بھی آسانی سے گزرے گا۔ اس تشبیہ سے استقامت کی عملی اہمیت سمجھ میں آتی ہے کہ راستے پر چلنا مقصود ہے، صرف راستے کو جان لینا کافی نہیں۔

صراط مستقیم پر چلنے کے فوائد

صراط مستقیم پر چلنے کے فوائد دینی، اخلاقی، نفسیاتی اور اجتماعی چاروں سطحوں پر ظاہر ہوتے ہیں۔ دینی فائدہ یہ ہے کہ انسان شرک، بدعت اور گناہ کی راہوں سے بچ کر اللہ کی رضا اور آخرت کی نجات کی راہ پر آ جاتا ہے، جو زندگی کا اصل مقصد ہے۔ اخلاقی فائدہ یہ ہے کہ وحی کی تربیت انسان میں صداقت، امانت، عدل اور رحم پیدا کرتی ہے، کیونکہ سیدھا راستہ کردار کو بھی سیدھا کرتا ہے۔ نفسیاتی فائدہ یہ ہے کہ ہدایت یافتہ انسان شک، اضطراب اور مقصدیت کے بحران سے نکل کر اطمینانِ قلب پاتا ہے؛ اسے معلوم ہوتا ہے کہ

وہ کدھر سے آیا ہے، کیوں آیا ہے اور کدھر جا رہا ہے۔ اجتماعی فائدہ یہ ہے کہ جب افراد صراط مستقیم پر ہوں تو خاندان اور معاشرہ ظلم، جھوٹ اور بے امنی سے پاک ہوتا ہے اور باہمی اعتماد قائم ہوتا ہے۔ دنیاوی زندگی میں بھی اس راستے کے اثرات نظر آتے ہیں: حلال و حرام کی پابندی معیشت کو پاک کرتی ہے، وعدے کی پاسداری کاروبار کو مضبوط کرتی ہے اور والدین و پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی سماجی نظام کو جوڑتی ہے۔

ایک اور جامع فائدہ یہ ہے کہ صراط مستقیم انسان کو گروہی تعصب اور شخصیت پرستی سے نکال کر حق پرستی سکھاتا ہے۔ اس راستے کا معیار شخصیت نہیں بلکہ قرآن و سنت ہے، اس لیے اس پر چلنے والا ہر اس رائے کو قبول کرتا ہے جو دلیل سے ثابت ہو اور ہر اس عمل سے رک جاتا ہے جو شریعت سے ٹکرائے۔ یہی مزاج امت کو اختلاف کے باوجود جوڑے رکھتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ صراط مستقیم آخرت کی نجات کا راستہ بھی ہے اور دنیا کی کامیاب و پرامن زندگی کا نقشہ بھی۔

Figure: Sirat-e-Mustaqeem — Source, Path, Practice and Outcome



شکل 1: صراط مستقیم کا ماخذ، راستہ، عملی میدان اور انجام

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الفاتحہ اپنے بے شمار ناموں اور فضائل کے ساتھ پورے قرآن کا خلاصہ ہے؛ بسم اللہ کے جزوِ فاتحہ ہونے میں علماء کی دونوں آراء دلائل پر مبنی ہیں اور ان میں توازن و احترام کا رویہ لازمی ہے؛ اور صراط مستقیم سے مراد اسلام و وحی کا وہ سیدھا راستہ ہے جس پر چلنے سے انسان کو دنیا میں اطمینان، اخلاق اور استقامت اور آخرت میں نجات و رضائے الٰہی نصیب ہوتی ہے، اسی لیے نماز کی ہر رکعت میں اس کی دعا دہرائی جاتی ہے۔

سوال نمبر2

سوال نمبر2۔ تفسیر ضیاءالقرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے سورۃالبقرہ کی آیت نمبر173 کے مضامین بیان کیجیے۔(20)

تعارف

سورۃالبقرہ کی آیت نمبر173 کھانے پینے کے حلال و حرام کے بنیادی اصولوں پر مشتمل ایک اہم آیت ہے۔اس سے پہلی آیت میں انسانوں کو خطاب کر کے زمین کی پاکیزہ حلال چیزوں کے کھانے اور شیطان کے قدموں کی پیروی سے بچنے کا حکم دیا گیا تھا؛اس پس منظر میں آیت173 بتاتی ہے کہ حرام کی اصل فہرست محدود اور واضح ہے، اور ساتھ ہی جان بچانے کی اضطراری حالت میں رخصت کا دروازہ بھی کھلا رکھا گیا ہے۔سوال کا تقاضا ہے کہ ان مضامین کو تفسیر ضیاءالقرآن کی روشنی میں بیان کیا جائے۔ تفسیر ضیاء القرآن پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ کی معروف اردو تفسیر ہے، جو آسان، دل نشین اور اصلاحی انداز کے لیے مشہور ہے۔ذیل میں آیت کے مضامین اسی تفسیر کے علمی مزاج کے مطابق اپنے الفاظ میں پیش کیے جاتے ہیں؛یہ ہو بہو اقتباس نہیں بلکہ نصابی خلاصہ ہے۔

تفسیر ضیاءالقرآن کا مختصر تعارف

پیر محمد کرم شاہ الازہری(1918ء تا1998ء) برصغیر کے ممتاز عالم،الازہر یونیورسٹی کے فاضل اور ضیاءالقرآن پبلیکیشنز کے بانی تھے۔ان کی تفسیر ضیاءالقرآن پانچ جلدوں میں ہے اور اس کی خصوصیات میں رواں اردو، مشکل مقامات کی آسان تشریح،اعتقادی و اخلاقی اسباق کی نشاندہی اور عام پڑھنے والے کی رہنمائی شامل ہیں۔ مصنف کا اسلوب یہ ہے کہ وہ پہلے آیت کا مفہوم کھولتے ہیں، پھر اس میں چھپی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہیں اور آخر میں عملی زندگی کے لیے سبق نکالتے ہیں۔ آیت173 کی تفسیر میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے کہ حرمت کی علت،انسانی صحت و طہارت کا لحاظ اور اضطراری رخصت کی شرائط کو متوازن انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

آیت کا اجمالی مفہوم

آیت کے آغاز میں فرمایا گیا کہ اللہ نے تم پر صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں: مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور یا چیز جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر فرمایا کہ جو شخص (بھوک سے) ناچار ہو جائے، بشرطیکہ وہ نہ حد سے بڑھنے والا ہو اور نہ زیادتی کرنے والا، تو اس پر کوئی گناہ نہیں؛ یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے۔ اس اجمالی بیان سے تین بڑے اصول نکلتے ہیں: ایک یہ کہ اصل حکم حلّت ہے اور حرمت صرف نص سے ثابت شدہ چیزوں میں ہے؛ دوسرا یہ کہ حرام چیزوں کی حرمت میں ظاہری و باطنی مصلحتیں ہیں؛ اور تیسرا یہ کہ شریعت ضرورت کے وقت انسان کو ہلاکت میں نہیں ڈالتی بلکہ مشروط رخصت دیتی ہے۔

چار محرمات کی تفصیل

پہلی چیز مردار ہے، یعنی وہ حلال جانور جو شرعی ذبح کے بغیر خود مر جائے۔ اس کی حرمت کی حکمتیں یہ بیان کی جاتی ہیں کہ مرے ہوئے جانور میں خون جسم کے اندر رک جاتا ہے، جراثیم اور تعفن کا امکان بڑھ جاتا ہے، اور ذبح نہ ہونے کی وجہ سے اللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا ہوتا، اس لیے اس کا کھانا صحت اور طہارت دونوں کے خلاف ہے۔ دوسری چیز بہتا ہوا خون (دم مسفوح) ہے؛ جو خون ذبح کے وقت بہہ کر نکل جائے وہ ناپاک قرار دیا گیا، جبکہ گوشت میں باقی رہ جانے والی معمولی سرخی اس حکم میں داخل نہیں سمجھی جاتی۔ خون نجاستوں کا مرقع ہوتا ہے، اسی لیے بہت سی سابقہ شریعتوں اور مہذب معاشروں میں بھی اس سے پرہیز پایا جاتا ہے۔ تیسری چیز خنزیر کا گوشت ہے، جسے قرآن نے دوسرے مقامات پر "رجس" یعنی سراپا گندگی قرار دیا ہے؛ اس کی حرمت قطعی اور ابدی ہے اور اس میں کسی تعلیل کی گنجائش اصل حکم کو بدل نہیں سکتی۔ چوتھی چیز وہ ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو، یعنی جو جانور کسی بت، بزرگ یا کسی اور ہستی کے نام پر ذبح یا معین کیا گیا ہو؛ اس کی حرمت کی بنیادی وجہ عقیدہ توحید کی حفاظت ہے کہ ذبح ایک عبادتی عمل ہے اور عبادت صرف اللہ کے لیے خاص ہے۔

جدول 1: آیت 173 کی چار محرمات اور ان کی نمایاں حکمتیں

حرام چیز	مطلب	نمایاں حکمت

صحت کی خرابی، خون کا رک جانا اور تعفن سے بچاؤ	بغیر شرعی ذبح کے خود مرا ہوا جانور	مردار
ناپاکی اور جراثیم کی آماجگاہ ہونے سے پرہیز	ذبح کے وقت بہہ نکلنے والا خون	بہتا ہوا خون (دم مسفوح)
قرآن اسے رجس کہتا ہے؛ حرمت قطعی ہے	سور کا گوشت اور اس کے اجزاء	خنزیر کا گوشت
توحید کی حفاظت؛ ذبح عبادت ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے	جس پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا گیا ہو	غیر اللہ کے نام کی چیز

حرمت کی حکمتیں اور تفسیر کا اصلاحی پہلو

تفسیر ضیاء القرآن کے انداز کے مطابق یہ نکتہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ اسلام میں حرام کی فہرست بہت مختصر ہے جبکہ حلال کا دائرہ پوری زمین کی پاکیزہ چیزیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت تنگی نہیں چاہتی بلکہ انسان کو ان چند چیزوں سے بچانا چاہتی ہے جو اس کے جسم، عقل یا عقیدے کے لیے ضرر رساں ہیں۔ دوسری اہم تعلیم یہ ہے کہ حرام و حلال کا فیصلہ انسانی خواہش یا رسم و رواج سے نہیں ہوتا بلکہ وحی سے ہوتا ہے؛ جو لوگ اپنی پسند سے حلال کو حرام اور حرام کو حلال ٹھہراتے تھے، قرآن نے ان کی روش کی اصلاح کی۔ تیسری تعلیم عقیدے کی ہے کہ چوتھی حرام چیز جسمانی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ شرک کی آلائش کی وجہ سے حرام ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے نزدیک عقیدے کی پاکیزگی جسمانی پاکیزگی سے بھی مقدم ہے۔

اس آیت کا ایک اور نفسیاتی سبق یہ ہے کہ کھانے کا تعلق کردار سے ہوتا ہے۔ حلال و پاکیزہ غذا دل میں نور اور اطاعت کی رغبت پیدا کرتی ہے، جبکہ حرام غذا دل کو سخت اور عبادت میں بھاری پن پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے متعدد احادیث میں دعا کی قبولیت کا تعلق حلال کھانے سے جوڑا گیا ہے۔ طالب علم کے لیے یہ اسلوب اہم ہے کہ وہ آیاتِ احکام کو صرف فقہی فہرست نہ سمجھے بلکہ ان کا اخلاقی و روحانی پیغام بھی اخذ کرے، یہی تفسیر ضیاء القرآن کے مطالعے کا حاصل ہے۔

اضطراری حالت کی رخصت اور اس کی شرائط

آیت کا دوسرا بڑا مضمون اضطراری رخصت ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی حالت میں ہو کہ بھوک یا مجبوری سے جان خطرے میں پڑ جائے اور حلال چیز دستیاب نہ ہو تو وہ بقدر ضرورت حرام چیز کھا سکتا ہے، اس پر گناہ نہیں۔ تفسیریں اس رخصت کی دو شرائط پر خاص زور دیا گیا ہے جو خود آیت میں مذکور ہیں: ”غیر باغ“ یعنی وہ حرام کی طلب اور لذت کی نیت نہ رکھتا ہو، اس کا مقصد صرف جان بچانا ہو؛ اور ”و لا عاد“ یعنی حد سے تجاوز نہ کرے، جتنی مقدار سے جان بچتی ہے اسی پر اکتفا کرے، پیٹ بھر کر یا ذخیرہ اندوزی کے طور پر نہ کھائے۔ اس سے فقہ کا مشہور اصول نکلتا ہے کہ ضرورتیں حرام کو بقدر ضرورت مباح کر دیتی ہیں، اور یہ کہ ضرورت کا اندازہ بھی خود ضرورت کے بقدر ہی ہو گا۔

اس رخصت کے بیان کے فوراً بعد ”ان اللہ غفور رحیم“ فرمانا بھی معنی خیز ہے۔ اس میں بندے کے لیے تسلی ہے کہ مجبوری میں کھا لینے پر وہ معتوب نہیں، اور اللہ کی رحمت اس کی نیت اور مجبوری کو دیکھتی ہے۔ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی مضمر ہے کہ رخصت کے نام پر ناجائز چور دروازے بنانا غلط ہے؛ جو شخص جان بچانے کی حقیقی مجبوری کے بغیر اس رخصت کو بہانہ بنائے گا وہ ”باغی“ اور ”عادی“ کے زمرے میں آئے گا۔ نظامِ فقہ میں اسی توازن سے اجتماعی رخصتوں کے اصول بنے ہیں، جیسے بیمار اور مسافر کے لیے روزے کی رخصتیں، مگر ان سب کی بنیاد یہی ہے کہ رخصت مجبوری کی قدر کے ساتھ مشروط رہتی ہے۔

آیت سے حاصل ہونے والے فوائد و اصول

اس آیت سے کئی دائمی اصول ملتے ہیں۔ پہلا اصول یہ ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور حرمت دلیل سے ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ اسلام صحت و طہارت کا دین ہے اور اس کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ تیسرا یہ کہ عقیدہ توحید اتنا اہم ہے کہ خوراک جیسے روزمرہ معاملے میں بھی اس کی حفاظت کی گئی ہے۔ چوتھا یہ کہ شریعتِ اسلامیہ عسر کی بجائے یسر چاہتی ہے اور انسانی جان کو اس قدر قیمتی سمجھتی ہے کہ اس کی حفاظت کے لیے حرام سے بھی بقدر ضرورت استفادے کی اجازت دیتی ہے۔ پانچواں سبق یہ ہے کہ تقویٰ کا تقاضا صرف مجبوری میں پرہیز نہیں بلکہ عام حالت میں اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پوری پاسداری ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ تفسیر ضیاءالقرآن کی روشنی میں سورۃ البقرہ آیت 173 حلال و حرام کا جامع اصول دیتی ہے: حرام صرف مردار، بہتا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کی چیز ہے؛ ان کی حرمت میں صحت، طہارت اور توحید کی حکمتیں پوشیدہ ہیں؛ اور اضطراری حالت میں نیت کی پاکی اور حد کی پاسداری کے ساتھ بقدر ضرورت رخصت ہے، کیونکہ اللہ غفور و رحیم ہے اور اس کی شریعت انسان کے لیے آسانی چاہتی ہے۔

سوال نمبر 3

سوال نمبر 3۔ مشرکین کے مشرکانہ اعمال سے تشبیہ دینے والے امور کی نشاندہی کیجیے۔ نیز مشرکین کے عقائد و نظریات کے سدباب میں کیا صورتیں ممکن ہیں۔ وضاحت کیجیے۔ (20)

تعارف

شرک اسلام کی نگاہ میں سب سے بڑا گناہ ہے کیونکہ یہ اللہ کی وحدانیت کے ساتھ کسی کو عبادت، دعا، نذر یا مافوق الاسباب تصرف میں شریک ٹھہرانے کا نام ہے۔ قرآن مجید نے مشرکینِ مکہ کے عقائد و اعمال کی تفصیلی تصویر پیش کی ہے تاکہ مسلمان ہر دور میں ان اعمال کو پہچان سکے اور ان سے بچ سکے۔ سوال کے دو حصے ہیں: پہلے ان امور کی نشاندہی کرنا جو مشرکین کے مشرکانہ اعمال سے مشابہت رکھتے ہیں، خواہ ان کا کرنے والا زبان سے شرک کا نام نہ بھی لیتا ہو؛ اور دوسرے یہ بیان کرنا کہ مشرکانہ عقائد و نظریات کا سدباب کس کس صورت میں ممکن ہے۔ اس بحث میں یہ تعلیمی احتیاط لازمی ہے کہ اعمال کی مشابہت بیان کرنا ایک علمی موضوع ہے، جبکہ کسی معین شخص یا گروہ پر شرک کا حکم لگانا جید علماء اور اہلِ افتاء کا کام ہے، عام طالب علم اس اطلاق سے اجتناب کرے۔

مشرکین کے بنیادی عقائد و اعمال کا پس منظر

قرآن کی روشنی میں مشرکینِ عرب اللہ کو خالق، رازق اور کائنات کا منتظم مانتے تھے، چنانچہ ان سے پوچھا جاتا کہ زمین و آسمان کا خالق کون ہے تو کہتے: اللہ۔ ان کا اصل انحراف عبادت و تقرب میں تھا: وہ بتوں اور بزرگوں کی مورتیوں کو اللہ تک رسائی کا وسیلہ اور سفارشی سمجھتے، ان کے نام کی نذریں مانتے، ان کے آستانوں پر ذبح کرتے، مصیبت میں انہیں پکارتے اور اپنی حاجت روائی ان سے منسوب کرتے تھے۔ کچھ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے اور جنات کو اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ معاشرتی سطح پر ان کے یہ اعمال تہواروں، میلوں اور قربانی کی رسموں کی صورت میں زندہ تھے، اور معاشی سطح پر بتوں سے جڑے مفادات ان عقائد کو قائم رکھتے تھے۔ اسی پس منظر کو سمجھنے سے ان امور کا تعین آسان ہوتا ہے جو صورت یا مفہوم میں ان اعمال سے مشابہت رکھتے ہوں۔

سنگِ کنہ اعمال سے تشبیہ دینے والے امور کی نشاندہی

پہلی قسم کے امور عبادت سے متعلق ہیں۔ غیر اللہ کو مافوق الاسباب حاجت روائی کے لیے اس اعتقاد سے پکارنا کہ وہ ذاتی طور پر نفع و نقصان کا مالک ہے، غیر اللہ کے نام کی نذر و منت ماننا اور اسی نیت سے ذبح کرنا، اور کسی ہستی کو اللہ کے برابر سفارش کا حتمی اختیار رکھنے والا سمجھنا، یہ سب وہ صورتیں ہیں جنہیں نصابی مطالعے میں مشرکین کے اعمال سے مشابہ قرار دیا جاتا ہے۔ دوسری قسم رسوم سے متعلق ہے: میت یا بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے چڑھاوے چڑھانا کہ اس سے خوش ہو کر وہ حاجات پوری کرے گا، قبروں پر بت پرستی جیسے طرز کی رسوم ادا کرنا، اور کسی دن، درخت، پتھر یا جگہ کو ذاتی تبرک و تاثیر کا مستقل مالک سمجھنا۔ تیسری قسم اعتقادی کمزوری کی ہے: علمِ غیب، تقدیر بدلنے یا رزق و اولاد کی حتمی عطا کو کسی مخلوق کی ذاتی صفت سمجھنا، اور مشکل میں اللہ کو چھوڑ کر صرف وسائل یا شخصیات کی طرف متوجہ ہو جانا۔ چوتھی قسم لفظی و عملی احتیاط سے غفلت کی ہے، مثلاً قسم غیر اللہ کی کھانا یا ایسے کلمات استعمال کرنا جن سے مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرایا جائے۔

یہاں ایک اہم فرق واضح رکھنا ضروری ہے۔ ہر عوامی رسم یا ہر اظہارِ محبت شرک کے زمرے میں نہیں آتا۔ کسی بزرگ کی قبر کی زیارت، ایصالِ ثواب، دعا میں نیک لوگوں کا وسیلہ ذکر کرنا جیسے مسائل میں علماء کے درمیان تفصیلی فقہی بحث موجود ہے اور ان میں سے ہر مسئلے کا اپنا علمی مقام ہے۔ نصابی سطح پر طالب علم کا کام اصول سیکھنا ہے: جو عمل

عبادت کی نیت اور الوہیت جیسی صفات کے اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کے لیے کیا جائے، وہ مشرکانہ اعمال سے مشابہت کا سب سے واضح مصداق ہے؛ اور جس عمل میں یہ عناصر نہ ہوں، اس پر فتویٰ لگانا اہلِ علم کا منصب ہے۔ یہ احتیاط خود قرآن کے اس اسلوب سے ملتی ہے جو پہلے اصول بیان کرتا ہے اور اشخاص کے فیصلے اللہ کے سپرد کرتا ہے۔

جدول 1: مشرکانہ اعمال سے مشابہت رکھنے والے امور کی اقسام

مشابہت کی وجہ	مثالی صورتیں (اصولی بیان)	قسم
عبادت کا غیر اللہ کی طرف رخ ہونا	غیر اللہ کو مستقل حاجت روا سمجھ کر پکارنا، اس کے نام کی نذر ذبح	عبادتی امور
بت خانوں کی رسوم سے مماثلت	چڑھاوے اور میلے اس اعتقاد سے کہ ہستی خود راضی اور حاجات پوری کرتی ہے	رسمی امور
الوہیت کی صفات مخلوق میں مان لینا	مخلوق کو علمِ غیب و تصرفِ ذاتی کا مالک ماننا	اعتقادی امور
تعظیم میں حد سے تجاوز	غیر اللہ کی قسم اور برابری ظاہر کرنے والے کلمات	قولی امور

سدباب کی ممکنہ صورتیں: علمی و تعلیمی صورت

مشرکانہ عقائد کے سدباب کی پہلی اور بنیادی صورت علمی و تعلیمی ہے۔ شرک جہالت کی کوکھ سے جنم لیتا ہے، اس لیے قرآن نے سب سے پہلے علم و دلیل کا راستہ اختیار کیا: توحید کے دلائل، اللہ کی صفات کا صحیح تعارف اور شرک کی تاریخ و نتائج کی آگاہی۔ اس کی عملی صورتیں یہ ہیں کہ تدریس میں عقیدہ توحید کو بچپن سے سادہ اور مدلل انداز میں پڑھایا جائے، خطبات و دروس میں وسائل و اسباب اور خالقِ اسباب کا فرق بار بار واضح کیا جائے، اور عوامی زبان میں مختصر کتابچے اور آڈیو دروس مہیا کیے جائیں۔ علمی سدباب میں

تنقید کا انداز بھی شائستہ رکھا جائے، کیونکہ سختی اور تحقیر سے لوگ بات سننا چھوڑ دیتے ہیں، جبکہ قرآن نے حکمت و موعظہ حسنہ کو دعوت کا اصول بنایا ہے۔ اس صورت کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ مستقل اور دور رس ہے؛ تعلیم سے بدلی ہوئی سوچ نسلوں تک قائم رہتی ہے۔

سدباب کی دوسری صورت: دعوتی و اصلاحی عمل

دوسری صورت دعوت و اصلاح کا عملی میدان ہے۔ اس میں داعی اور مصلح خود اپنے کردار سے توحید کی زندہ مثال بنتا ہے، عوام کو اللہ سے براہِ راست تعلق کی ترغیب دیتا ہے، دعا، استغفار اور قرآن سے تعلق کی عادت ڈالتا ہے، اور شرکیہ رسموں کے مقابلے میں مشروع متبادل فراہم کرتا ہے، مثلاً مشکل میں نماز و دعا کی مجلسیں، مستحقین کی مدد کے لیے منظم صدقات اور دینی اجتماعات۔ اصلاحی عمل میں خاندان اور محلے کی سطح پر آہستہ آہستہ رسموں کی جگہ سنت طریقے رائج کرنا بھی شامل ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ہر دور کی کامیاب اصلاحی تحریکوں نے پہلے دلوں میں اللہ کی محبت و خوف پیدا کیا، پھر رسموں نے خود بخود دم توڑا۔ اس کے برعکس صرف رسموں پر حملہ اور دلوں کی اصلاح سے غفلت عارضی و وقتی ردعمل پیدا کرتی ہے۔

سدباب کی تیسری صورت: معاشرتی و انتظامی انتظام

تیسری صورت معاشرتی و انتظامی سطح کی ہے۔ جہاں کسی رسم سے کھلم کھلا شرکیہ عمل، عوامی بدنظمی، لوٹ کھسوٹ یا کمزوروں کا استحصال جڑا ہو، وہاں اہل افراد، علماء اور متعلقہ ادارے مشاورت سے ایسی تدابیر اختیار کرتے ہیں جن سے فتنے کا دروازہ بند ہو۔ اس میں مزارات و اجتماعات کی انتظامی اصلاح، چڑھاووں کے نام پر ہونے والی معاشی استحصال کی روک تھام، نصابِ تعلیم میں دینیات کی مضبوطی اور میڈیا پر ذمہ دارانہ مذہبی گفتگو کو فروغ دینا شامل ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ انتظامی تدابیر کا فیصلہ اجتماعی مصلحت اور قانون کے دائرے میں ہوتا ہے اور انفرادی سطح پر کسی کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اسلامی تاریخ میں جب بھی شرک و بدعت کا سدباب پائیدار ہوا، وہ علم، دعوت اور اجتماعی نظام کی مشترکہ کاوش سے ہوا، نہ کہ محض زبردستی سے۔

ان تینوں صورتوں کو ملا کر دیکھا جائے تو ایک مکمل خاکہ بنتا ہے: تعلیم ذہن بدلتی ہے، دعوت دل بدلتی ہے اور اجتماعی انتظام ماحول بدلتا ہے۔ جس معاشرے میں یہ تینوں ساتھ چلیں، وہاں مشرکانہ نظریات بتدریج دم توڑتے ہیں اور ان کی جگہ صحت مند توحیدی شعور لیتا ہے۔ طالب علم کے لیے یہ بھی اہم ہے کہ سدباب کا ہدف اشخاص سے نفرت نہیں بلکہ غلط نظریے کی اصلاح ہے؛ مشرک بھی اللہ کی مخلوق اور دعوت کا مخاطب ہے، اس لیے لہجہ ہمدردانہ اور مقصد اصلاحی رکھنا قرآنی اسلوب ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ مشرکانہ اعمال سے مشابہت رکھنے والے امور زیادہ تر عبادت، رسوم، اعتقاد اور قول کی ان صورتوں میں پائے جاتے ہیں جن میں مخلوق کو اللہ کی مخصوص صفات یا عبادت کا مستحق ٹھہرایا جائے۔ ان عقائد کے سدباب کی تین بڑی صورتیں ممکن ہیں: مدلل تعلیم و آگہی، اخلاق دار و متبادل کے ساتھ دعوت و اصلاح، اور مشاورت و قانون کے دائرے میں معاشرتی و انتظامی تدابیر۔ اصول یاد رکھنے اور اشخاص پر حکم لگانے میں احتیاط برتنا ہی اس موضوع کا اصل سبق ہے۔

سوال نمبر 4

سوال نمبر 4۔ اللہ کے اس ارشاد "اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے" کی وضاحت تفسیر معارف القرآن و تفسیر قرطبی کی روشنی میں تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

یہ ارشاد سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 275 کا حصہ ہے، جو ربا یعنی سود کے موضوع کی مرکزی آیتوں میں سے ہے۔ پس منظر یہ ہے کہ سود کھانے والوں پر اعتراض کے جواب میں مشرکین و اہلِ جاہلیت کہتے تھے کہ تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے، یعنی جس طرح تجارت میں اصل سرمائے سے زائد منافع لیا جاتا ہے اسی طرح قرض پر بھی زائد لیا جانا چاہیے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے قطعی فیصلہ سنایا کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، یعنی دونوں کی ظاہری مشابہت کے باوجود ان کا حکم ایک نہیں ہو سکتا کیونکہ

فیصلے کا اختیار شریعت ساز کا ہے اور دونوں کی حقیقت بھی ایک دوسرے سے الگ ہے۔ سوال میں اس وضاحت کو تفسیر معارف القرآن (مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ) اور تفسیر قرطبی (امام ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ) کی روشنی میں لکھنے کو کہا گیا ہے۔ ذیل کی تحریر ان دونوں تفاسیر کے مضامین کا اپنے الفاظ میں نصابی خلاصہ ہے، ہو بہو اقتباس نہیں۔

آیت کا پس منظر اور اعتراض کا جواب

آیت کے آغاز میں سود خوروں کی آخرت کی کیفیت بیان ہوئی ہے کہ وہ قیامت کے دن اس شخص کی طرح اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر بے ہوش و بدحواس کر دیا ہو۔ اس کے بعد ان کے اس قول کا ذکر ہے کہ "بیع بھی سود ہی کی مانند ہے"۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ یہ اعتراض یا تو کفار کی طرف سے تھا یا ان منافقانہ ذہنیت رکھنے والوں کی طرف سے جو سود کو تجارت پر قیاس کرتے تھے۔ اللہ نے جواب میں قیاس کو رد کر کے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ حلال و حرام کا مدار بندوں کی مشابہت پسندی پر نہیں، اللہ کے حکم پر ہے۔ جب مالک نے ایک کو حلال اور دوسرے کو حرام کر دیا تو بندے کا کام اطاعت ہے، حکمت تلاش کرنا ثانوی درجے کی چیز ہے۔ یہ اصول پورے فقہِ اسلامی کی اساس ہے کہ احکام میں علت کی جستجو مفید ہے مگر حکم کی پابندی نص کی وجہ سے ہے۔

تفسیر معارف القرآن کی وضاحت

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تفسیر معارف القرآن میں اس مقام پر کئی نکتے بیان کرتے ہیں۔ پہلا نکتہ یہ ہے کہ تجارت اور سود میں حقیقی فرق موجود ہے: تجارت میں تاجر اپنا مال، محنت اور خطرہ لگاتا ہے؛ اگر نفع ہو تو اس کے ساتھ نقصان کا امکان بھی اسی کا ہوتا ہے، اس لیے زائد آمدنی ایک جائز خدمت اور خطرے کا معاوضہ ہے۔ اس کے برعکس سود میں قرض دینے والا اپنا اصل محفوظ رکھ کر مدت کے بدلے میں متعین اضافہ لیتا ہے؛ نقصان کا سارا بوجھ قرض دار پر پڑتا ہے اور لینے والے کو بغیر خطرے کے پکا نفع ملتا ہے، یہی ناانصافی اس کی حرمت کی بڑی حکمت ہے۔ دوسرا نکتہ یہ کہ تجارت سے مال معاشرے میں گردش کرتا ہے، روزگار پیدا ہوتا ہے اور اشیاء محتاجوں تک پہنچتی ہیں، جبکہ سود مال کو چند ہاتھوں میں سمیٹتا ہے اور محتاج کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ تیسرا نکتہ یہ کہ مفتی صاحب جدید معاشی دلائل کو بھی زیرِ بحث لاتے ہیں اور واضح کرتے ہیں کہ سود کو تجارت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ دونوں کی ماہیت الگ ہے۔

معارف القرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ آیت کے احکام کے ساتھ ان کے عملی و معاشرتی اثرات بھی بیان کرتی ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سود کی حرمت کی آیات مدینہ کے آخری دور میں مکمل ہوئیں اور نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں جاہلیت کے تمام سود ختم کرنے کا اعلان فرمایا۔ سود خور کے لیے آیات میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ کی سخت وعید بھی آئی ہے، جس سے اس گناہ کی سنگینی ظاہر ہوتی ہے۔ مفتی صاحب واضح کرتے ہیں کہ سود کی حرمت قطعی اور اجماعی ہے؛ البتہ کسی معین جدید معاملے کے سود ہونے یا نہ ہونے کا اطلاق اہلِ افتاء اور شرعی ماہرین کا کام ہے۔ اس تعلیمی بیان کا مقصد اصول کی تفہیم ہے۔

تفسیر قرطبی کی وضاحت

امام قرطبی رحمہ اللہ کی تفسیر ''الجامع لاحکام القرآن'' احکام کی تفسیر کے نام سے مشہور ہے اور اس میں ربو کے فقہی نکات بڑی تفصیل سے بیان کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ اس آیت نے بیع کو عملاً حلال اور ربا کو قطعی حرام ٹھہرا کر قیاس کرنے والوں کا راستہ بند کر دیا، کیونکہ شریعت کے مقابلے میں انسانی قیاس تبھی معتبر ہوتا ہے جب نص موجود نہ ہو۔ قرطبی ربا کی لغوی و شرعی تعریف بیان کرتے ہیں کہ ربا کے معنی زیادتی کے ہیں اور شریعت میں مخصوص اموال میں بلا عوض زیادتی ربا کہلاتی ہے۔ وہ ربا کی دو بنیادی قسموں، ربا الفضل (جنس بدلنے میں معین زیادتی) اور ربا النسیئۃ (ادھار کی مدت کے بدلے زیادتی) کا تذکرہ کر کے ان سے متعلق احادیث و فقہی مسائل پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس آیت کی عظمت یہ بھی ہے کہ اس نے معیشت کو عدل پر قائم کیا اور ظلم کے ایک بڑے دروازے کو ہمیشہ کے لیے بند کیا۔

قرطبی کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ اللہ نے فرق کو علت کی بحث سے اوپر اٹھا کر اپنے حکم کی صورت میں بیان کیا: ''احل اللہ البیع وحرم الربا''۔ اس سے علما نے استدلال کیا ہے کہ بیع اصل میں مباح ہے اور اس کے لیے الگ دلیل کی ضرورت نہیں، جبکہ ربا ہر وہ صورت ہے جسے نص یا اجماع حرام قرار دے۔ قرطبی سود خور کے دنیاوی انجام کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کہ سودی مال میں برکت نہیں رہتی اور سودی نظام اخلاقی طور پر رحم دلی اور باہمی ہمدردی کو ختم کر کے خود غرضی کو فروغ دیتا ہے۔ ان فقہی مباحث کی تفصیل طویل ہے، یہاں امتحانی ضرورت کے مطابق خلاصہ پیش کیا گیا ہے؛ طالب علم اصل تفسیر سے استفادہ کرے۔

جدول 1: تجارت اور سود کا بنیادی فرق

پہلو	تجارت (بیع)	سود (ربا)
خطرہ	تاجر نقصان کا خطرہ خود اٹھاتا ہے	قرض دینے والا خطرے سے محفوظ رہتا ہے، بوجھ قرض دار پر
معاوضہ	مال، محنت اور خدمت کے بدلے منافع	اصل رقم محفوظ رکھ کر مدت کے بدلے متعین اضافہ
معاشرتی اثر	مال کی گردش، روزگار اور ضروریات کی تکمیل	دولت کا ارتکاز اور مجبور کی مجبوری سے نفع
شرعی حکم	اللہ نے حلال کیا	اللہ نے حرام کیا

دونوں تفاسیر کا تقابلی خلاصہ

دونوں تفاسیر کے مطالعے سے نمایاں ہوتا ہے کہ قرطبی کا زور زیادہ تر فقہی و اصولی نکات پر ہے، یعنی تعریف، اقسام، قیاس کی حیثیت اور حکم کی قطعیت؛ جبکہ معارف القرآن اس کے ساتھ ساتھ جدید ذہن کے اشکالات کا جواب، معاشی حکمت اور اخلاقی اثرات بھی آسان اردو میں فراہم کرتی ہے۔ یہی اس کورس کے عنوان "تقابلی مطالعہ" کی اصل روح ہے کہ ایک ہی آیت کو قدیم عربی تفسیر کے فقہی زاویے اور اردو تفسیر کے دعوتی و معاشرتی زاویے سے دیکھا جائے۔ دونوں میں قدرِ مشترک یہ ہے کہ حلال و حرام کا اصل فیصلہ اللہ کا ہے، تجارت و سود کی ماہیت میں فرق حقیقی ہے، اور سودی معیشت کا انجام معاشرتی بے برکتی اور ظلم ہے۔

جدید معیشت کے طالب علم کے لیے اس بحث سے یہ سبق ملتا ہے کہ اسلام سرمایہ و تجارت کا مخالف نہیں بلکہ اس کا حامی ہے، بشرطیکہ معاملہ عدل، خطرے کی شراکت اور باہمی رضامندی پر ہو۔ اسی اصول سے اسلامی معیشت میں شراکت، مضاربہ اور مرابحہ جیسی صورتیں سامنے آئیں۔ اس کے برعکس جہاں نفع یقینی اور یک طرفہ ہو اور نقصان ہمیشہ کمزور فریق پر پڑے، وہ صورت سود کے قریب ہو جاتی ہے۔ انفرادی سطح پر احتیاط یہ ہے کہ مشتبہ معاملات میں معتبر علماء سے رجوع کیا جائے؛ یہ تعلیمی تحریر کسی معاملے پر فتویٰ نہیں ہے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ ارشاد باری "اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے" مشرکین کے قیاس کا قطعی جواب ہے۔ قرطبی نے اس کی فقہی و اصولی جہتیں اجاگر کیں اور معارف القرآن نے اس کی حکمتیں اور معاشرتی پیغام آسان انداز میں کھولا۔ تجارت خطرے و خدمت کے ساتھ منافع کا جائز ذریعہ ہے، جبکہ سود محفوظ نفع کے نام پر ناانصافی ہے؛ اسی لیے ایک حلال اور دوسرا حرام ہے۔

سوال نمبر 5

سوال نمبر 5۔ اتباع رسول کی اہمیت بیان کرتے ہوئے بدعات کے رد کا طریقہ واضح کیجیے نیز تقرب الٰہی کے ذرائع اور طریقہ کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے فوائد لکھیے۔

(20)

تعارف

اس سوال کے تین مربوط حصے ہیں: اتباعِ رسول ﷺ کی اہمیت، بدعات کے رد کا صحیح طریقہ، اور تقربِ الٰہی کے ذرائع و طریقہ کار اور ان کے فوائد۔ تینوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے: اتباعِ رسول دین کی بنیاد ہے، بدعت اسی بنیاد کے مقابلے میں خود ساختہ راستہ ہے، اور تقربِ الٰہی کا صحیح طریقہ وہی ہے جو اتباع کے راستے سے ملتا ہے۔ قرآن و سنت نے ان تینوں موضوعات پر واضح رہنمائی دی ہے، اس لیے ذیل کی بحث بھی انہی مآخذ کی روشنی میں، خالص علمی انداز میں پیش کی جاتی ہے۔ کسی معین عمل کے بدعت ہونے کا اطلاق اور اس کا حکم اہلِ علم کا کام ہے؛ طالب علم کا کام اصول و طریقہ سیکھنا ہے۔

اتباعِ رسول کی اہمیت

اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقشِ قدم پر اس طرح چلنا کہ عمل اس کی رہنمائی کے تابع ہو۔ قرآن مجید نے اتباعِ رسول کو اللہ کی محبت کی شرط قرار دیا ہے: ”کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا“ (آل عمران: 31)۔ سورۃ الحشر میں فرمایا گیا کہ رسول جو کچھ تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ۔ سورۃ النساء میں اللہ اور رسول کی اطاعت کو اہلِ ایمان کی پہچان بتایا گیا اور احزاب میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو بہترین نمونہ (اسوۂ حسنہ) قرار دیا گیا۔ ان نصوص سے اتباع کی اہمیت کے چار پہلو واضح ہوتے ہیں: اول یہ کہ وحی کی تشریح و تفصیل کا مستند ذریعہ رسول کی سنت ہے، اس کے بغیر قرآن کے احکام کی عملی صورت متعین نہیں ہو سکتی، مثلاً نماز و زکاۃ کی تفصیلات؛ دوم یہ کہ اتباع اللہ کی محبت و مغفرت کا ذریعہ ہے؛ سوم یہ کہ اتباعِ سنت کو ایک مرکز پر جمع رکھتا ہے اور ذاتی پسند کی پراگندگی سے بچاتا ہے؛ اور چہارم یہ کہ قیامت کے دن نجات کا مدار اسی اتباع پر ہے۔

اتباع کی دو سطحیں سمجھنا ضروری ہیں۔ ایک ظاہری اتباع ہے کہ نماز، روزہ، اخلاق اور معاملات میں سنت کے معروف طریقے اختیار کیے جائیں۔ دوسری باطنی اتباع ہے کہ دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت، تعظیم اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر مکمل اعتماد ہو، اور کسی معاملے میں اپنی رائے کو سنت پر مقدم نہ کیا جائے۔ مفسرین لکھتے ہیں کہ ان دونوں کے اجتماع سے ہی اتباع کامل ہوتا ہے، اور محض دعوی محبت بغیر عمل کے اتباع کے ثمرات نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ سلف کی زندگیوں میں سنت کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی اہتمام نظر آتا ہے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بڑی کامیابیاں چھوٹی اطاعتوں سے جڑی ہوتی ہیں۔

بدعت کا مفہوم اور اس کے رد کا طریقہ

بدعت سے مراد دین میں ایسی نئی بات یا عبادت کا نیا طریقہ ایجاد کرنا ہے جس کی اصل قرآن و سنت اور قرونِ خیر کے عمل میں نہ ہو اور اسے دین و ثواب سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ دنیاوی ایجادات مثلاً نئی ٹیکنالوجی، تعلیمی وسائل وغیرہ اس تعریف میں داخل نہیں کیونکہ ان کا تعلق عبادت و دین کی حیثیت سے نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے

خطبوں میں فرمایا کہ ہر نئی ایجاد کردہ (دینی) بات بدعت ہے اور بدعت گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔ بدعت کی خرابی یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہ شریعت کو ناقص سمجھنے کا عملی اظہار ہے، سنت کو پس پشت ڈالتی ہے، اور آہستہ آہستہ اصل دین کی جگہ رسموں نے لے لیتی ہے۔ اسی لیے علماء نے سنت کی حفاظت کو بدعت کے رد کی بنیاد قرار دیا ہے۔

بدعات کے رد کا صحیح طریقہ پانچ نکات پر مشتمل ہے۔ پہلا علمی طریقہ: قرآن و سنت کے دلائل سے صحیح و غلط کی وضاحت کی جائے، خطبات، دروس اور تحریر کے ذریعے عوام کو سنت طریقہ سکھایا جائے، کیونکہ بدعت جہالت میں پلتی ہے۔ دوسرا، عملی متبادل: جہاں کسی رسم کی جڑیں معاشرت میں ہوں، وہاں صرف ممانعت کافی نہیں ہوتی بلکہ اس کی مشروع صورت پیش کی جاتی ہے، مثلاً خوشی و غم کے موقعوں پر سنت اذکار و دعا اور [illegible] خیرات کے اچھے طریقے رائج کرنا۔ تیسرا، حکمت و نرمی: لہجہ ہمدردانہ ہو، اشخاص کی تحقیر نہ ہو، کیونکہ مقصد دل جیت کر اصلاح کرنا ہے۔ چوتھا، درجہ بندی: پہلے بڑے اور واضح امور کی اصلاح کی جائے، فرعی اختلافات کو بدعت کہہ کر امت میں تفریق نہ پھیلائی جائے۔ پانچواں، ذاتی عمل: رد کرنے والا خود سنت کا پابند ہو، ورنہ اس کی بات اثر نہیں کرتی۔ انتظامی معاملات اور احکام کا اطلاق علماء و متعلقہ اداروں کے سپرد ہے؛ فرد کو قانون ہاتھ میں نہیں لینا چاہیے۔

جدول 1: بدعت کے رد کا متوازن طریقہ کار

عملی صورت	طریقہ
دلیل کے ساتھ سنت طریقہ سکھانا، دروس و تحریر	علمی وضاحت
رسم کے مقابلے میں مشروع اور آسان عمل پیش کرنا	مثبت متبادل
ہمدردانہ لہجہ، اشخاص کی بجائے عمل کی اصلاح	حکمت و نرمی
واضح اور بڑے امور کو مقدم رکھنا، فروعی اختلاف کو پھیلانے سے بچنا	درجہ بندی
اپنی زندگی میں سنت کی پابندی اختیار کرنا	خود نمونہ بننا

تقربِ الٰہی کے ذرائع اور طریقہ

تقربِ الٰہی سے مراد اللہ کی رضا و قرب کا درجہ پانا ہے۔ حدیثِ قدسی میں اس کا جامع نقشہ دیا گیا ہے کہ بندہ فرائض کے ذریعے اللہ کا قرب پاتا ہے، پھر نوافل کے ذریعے برابر قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس کا محبوب بن جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تقرب کا بنیادی ذریعہ فرائض کی ادائیگی ہے: ایمان کی تصحیح، پانچ وقت نماز، زکاۃ، روزہ، حج، والدین و حقوق العباد کی ادائیگی۔ دوسرا ذریعہ نوافل ہیں: تہجد، اشراق و سنن نمازیں، نفلی روزے، صدقات اور کثرتِ ذکر۔ تیسرا ذریعہ قرآن کی تلاوت و تدبر اور دعا و مناجات ہے، جن سے دل زندہ ہوتا ہے۔ چوتھا ذریعہ خدمتِ خلق ہے، کیونکہ مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اس کی خدمت اللہ کو پسند ہے۔ پانچواں ذریعہ گناہوں سے اجتناب اور توبہ و استغفار ہے، کیونکہ میل کچیل کے ساتھ قرب نہیں ملتا؛ صفائی پہلے ہوتی ہے پھر قرب نصیب ہوتا ہے۔

تقرب کا طریقہ کار بھی سنت سے ملتا ہے: پہلا قدم نیت کا اخلاص ہے کہ ہر عمل صرف اللہ کے لیے ہو، نمائش و ریاکاری سے پاک ہو، کیونکہ ریاکاری عمل کو ضائع کر دیتی ہے۔ دوسرا قدم اعتدال و دوام ہے: تھوڑا عمل مگر پابندی اور استمرار کے ساتھ، کیونکہ اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ عمل وہ ہے جو ہمیشہ ہو خواہ تھوڑا ہو۔ تیسرا قدم علم کے ساتھ عمل ہے: جس عبادت کا ثبوت معلوم نہ ہو اسے ثواب سمجھ کر ایجاد کرنا تقرب نہیں بلکہ بدعت کی راہ ہے۔ چوتھا قدم صحبتِ صالحین اور محاسبہ ہے: نیک مجلس انسان کو عمل پر ابھارتی ہے اور روزانہ اپنا جائزہ کمزوریوں کی اصلاح کرتا ہے۔ ان اصولوں کے ساتھ تقرب کا سفر آسان اور محفوظ ہو جاتا ہے۔

جدول 2: تقربِ الٰہی کے ذرائع کا خلاصہ

ذریعہ	مثالیں	درجہ / فائدہ
فرائض	نماز، زکاۃ، روزہ، حج، حقوق کی ادائیگی	قرب کی بنیاد و شرط
نوافل	تہجد، سنن، نفلی روزے و صدقات	اضافی قرب و محبوبیت
ذکر و قرآن	تلاوت، تدبر، دعا، استغفار	دل کی زندگی و نور

رحمتِ الٰہی کا مستحق بننا	یتیم، بیمار اور محتاج کی مدد	خدمتِ خلق
قرب کی رکاوٹ کا خاتمہ	ترکِ حرام، توبہ و اصلاح	اجتنابِ گناہ

تقربِ الٰہی کے فوائد

تقربِ الٰہی کے فوائد دنیا و آخرت دونوں میں ظاہر ہوتے ہیں۔ روحانی فوائد میں سب سے بڑا فائدہ اطمینانِ قلب ہے: ذکرِ الٰہی سے دل کو سکون ملتا ہے اور انسان مادیت کی اضطرابی دوڑ سے نکل کر قناعت پاتا ہے۔ دوسرا فائدہ اللہ کی خاص مدد و حفاظت ہے؛ حدیث قدسی کے مطابق قرب پانے والے بندے کی سماعت و بصارت میں برکت ہوتی ہے، یعنی وہ اللہ کی رضا والے کاموں میں لگ جاتی ہیں۔ تیسرا فائدہ دعاؤں کی قبولیت اور مشکل وقت میں ثابت قدمی ہے۔ اخلاقی فوائد میں دل کی نرمی، گناہ سے نفرت، خلق سے محبت اور حسد و کبر کا خاتمہ شامل ہیں۔ معاشرتی فائدہ یہ ہے کہ اللہ کے قریب ہونے والے بندے معاشرے کے لیے امن و خیر کا ذریعہ بنتے ہیں، کیونکہ جسے خدا یاد رہتا ہے وہ مخلوق پر ظلم نہیں کر سکتا۔ اخروی فائدہ سب سے بڑا ہے: رضائے الٰہی اور جنت میں اللہ کے قرب و دیدار کی نعمت، جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے۔

ان فوائد کی روشنی میں تینوں حصے آپس میں مل جاتے ہیں۔ اتباعِ رسول تقرب کا واحد مستند راستہ ہے؛ بدعت کی راہ اسی راستے سے ہٹا دیتی ہے؛ اور فرائض، نوافل، ذکر اور خدمت پر استقامت انسان کو اس منزل تک پہنچاتی ہے جہاں اس کا دل بھی آباد ہوتا ہے اور اس کا انجام بھی۔ طالب علم کے لیے عملی نتیجہ یہ ہے کہ وہ پہلے فرائض درست کرے، پھر آسان نوافل کا معمول بنائے اور ہر نئے عمل کو سنت کی کسوٹی پر پرکھے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ ہے کہ اتباعِ رسول اللہ کی محبت و نجات کی کلید ہے اور اس کے بغیر دین مکمل نہیں ہوتا؛ بدعات کا رد دلیل، حکمت، متبادل اور خود عملی نمونے سے ہوتا ہے نہ کہ سختی و فتنے سے؛ اور تقربِ الٰہی فرائض، نوافل، ذکر و قرآن، خدمتِ خلق اور ترکِ گناہ سے اخلاص و دوام کے ساتھ حاصل ہوتا ہے، جس کے ثمرات اطمینانِ قلب، قبولیتِ دعا، اخلاقی بلندی اور آخرت میں رضائے الٰہی کی صورت میں ملتے ہیں۔

USMAN NOTES
www.usmannotes.com